سلسلہ مطبوعات ۵۹

سماجی تبدیلی کی حکمت عملی

(اسوہ حسنہ کے تناظر میں)

مفتی سعید الرحمٰن

ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

سماجی تبدیلی کی حکمت عملی

(اسوہ حسنہ کے تناظر میں)

مفتی سعید الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سماجی تبدیلی کی حکمت عملی

(اسوہ حسنہ کے تناظر میں)

انسانی معاشرے میں بنیادی سماجی تبدیلی کا عمل ایک صبر آزما جہد مسلسل کا دوسرا نام ہے۔اس سلسلے میں دنیا کے اندر یوں تو کئی ایک انقلابی کاوشیں ہوئی ہیں لیکن جو عالمگیریت اور پائیداری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برپا کردہ اجتماعی تبدیلی کو حاصل ہوئی ہے،وہ آج تک کسی اور انقلاب کو حاصل نہیں ہوسکی لہذا سیرت نبوی کا اس حوالہ سے مطالعہ نہایت ضروری ہے تاکہ عصر حاضر میں اسوۂ حسنہ کی پیروی کے ذریعے دنیا کو مؤثر اور پائیدار اجتماعی تبدیلی سے روشناس کرایا جاسکے۔واضح رہے بنیادی سماجی تبدیلی کیلئے چند بنیادی اور اساسی امور کا تعین ضروری ہوتا ہے مثلاً

(۱) سماجی تبدیلی کے لئے معاشرے کے سازگار و ناسازگار عناصر کا تجزیہ

(۲) اجتماعی تبدیلی کے مطلوبہ خدوخال کا تعین۔

(۳) سماجی تبدیلی کا دائرہ اثر

(۴) بنیادی تبدیلی کا طریق کار

آمدہ سطور میں ان نکات کا ایک اجمالی جائزہ پیش ہے۔

(۱) معاشرے کا تجزیاتی مطالعہ

اجتماعی تبدیلی،محض نصب العین کی سچائی یا انقلابی جماعت کی جدوجہد پر ہی منحصر نہیں ہوتی بلکہ تبدیلی پیدا کرنے والی اجتماعیت اور تبدیلی کے مستحق سماج کی صلاحیت پر بھی موقوف ہوتی

ہے۔عرب کے جغرافیہ میں جوانسانی عنصر جمع تھا۔وہ اس لحاظ سے انتہائی قیمتی تھا اس کی ظاہری جہالت اور اکھڑ پن کے پیچھے فطرت کی سادگی پوری طرح محفوظ تھی، تیس لاکھ کلومیٹر رقبہ والا مسطح اور گرم ملک چند اعلیٰ ترین انسانی اقدار اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا، مثلاً ایک عرب اپنے اونٹ کو جو اس کی معاش کا واحد ذریعہ ہوتا تھا ذبح کر کے اس کا گوشت مہمانوں کو کھلا دیا کرتا تھا تا کہ وہ بھوکے نہ رہیں، اگر کوئی مظلوم شخص جنگل میں کسی عرب کے خیمے میں پناہ لیتا تو وہ ہاتھ میں تلوار لیکر اس کی حفاظت کرتا تھا یہاں تک کہ وہ اپنی جان پر بھی کھیل جاتا تھا حتیٰ کہ اگر ڈاکو کسی قبیلہ کی خواتین کے قیمتی لباس اور زیورات لوٹنا چاہتے تو وہ ان کو ہاتھ لگانے کی بجائے صرف یہ کہتے تھے کہ وہ از خود زیورات اور قیمتی لباس حوالہ کر دیں حتی کہ جس وقت عورتیں لباس اتار رہی ہوتیں، ڈاکو اپنے چہرے پھیر لیتے تا کہ ان کی نگاہ عورتوں کی برہنگی پر نہ پڑے۔

عرب بادیہ بالکل سیدھے سادے یا کم فہم لوگ نہیں تھے بلکہ باشعور اور بہت جلد باتوں کی تہہ تک پہنچ جانے والے تھے۔ان کے ہاں کہنے اور کرنے میں فرق کا کوئی سوال نہیں تھا وہ اقرار اور انکار کے درمیان کسی تیسری چیز کو نہیں جانتے تھے جب وہ کسی کو ایک قول دیدیتے تو اس کو ہر حال میں پورا کرتے، خواہ اس کی خاطر جان و مال کی کتنی ہی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔(۱)

اس کے علاوہ بھی ان میں کئی ایک ایسی خوبیاں تھیں جو عرب کے کسی اور قبیلہ میں نہیں پائی جاتی تھیں مثلاً مردانگی، راست گوئی، بہادری، ایثار، حرمت والی چیزوں کی حفاظت، ہمسایہ کے حقوق کا تحفظ اور استقامت وغیرہ مگر ساتھ ہی ان میں کچھ ایسی مہلک برائیاں بھی رائج تھیں جن پر عربوں کو فخر تھا اور ان کے نہ ہونے کو عار سمجھتے تھے جیسے شراب نوشی، جوابازی، ظلم پیشہ رشتہ داروں سے تعاون، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا، باندیوں کو کمائی کی خاطر بدکاری پر مجبور کرنا، تشدد و جہالت، نسلی تعصب وطبقاتیت وغیرہ

اس تجزیہ سے یہ آشکارا ہوتا ہے کہ بیمار سماج کو بدلنے کیلئے ایسے افراد کو ہموار بنانا ناگزیر

ہے جن میں کم از کم راست گوئی، بہادری، صبر، ایثار اور عقلمندی کے اوصاف موجود ہوں، بعد ازیں عمل تربیت کے ذریعے ایسے افراد کی خامیوں اور بداخلاقیوں کا ازالہ آسان ہے۔

(۲) اجتماعی تبدیلی کے خاکہ کا تعین

سماجی تبدیلی کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے کے باصلاحیت عناصر کے سامنے اس نظام کا خاکہ رکھا جائے جو موجود مسائل کا بہترین حل ہو، بغیر متبادل حل کے موجود نظام پر محض تنقید ناکافی ہے چنانچہ اسلام نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط اصولوں پر مبنی ایک جامع نظام دیا ہے جو خدا اور بندے کے تعلقات یعنی اقترابات کے علاوہ بندوں کے باہمی تعلقات یعنی معاملات یا ارتفاقات کی کیفیات میں رہنمائی کرتا ہے اقترابات کے ذیل میں اللہ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں یوم آخرت اور بعث بعد الموت سمیت بنیادی عقائد پر ایمان کے علاوہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج جیسے عملی فرائض آجاتے ہیں جبکہ معاملات یا ارتفاقات کے ضمن میں دنیوی زندگی کے تمام پہلو بشمول سیاسی، معاشی اور سماجی شعبہ جات زیر بحث آتے ہیں اور اسلام کے اسی جامع رہنمائے حیات کا سرنامہ "کلمہ طیبہ" ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک بار قریش کے سردار آپؐ کے چچا ابو طالب کے ہاں جمع ہوئے۔ ان میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف اور ابوسفیان بن حرب جیسے لیڈر شامل تھے، ابوطالب کی معرفت ان لوگوں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہا آخر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا" میں صرف ایک بات کا مطالبہ کرتا ہوں، اگر تم اسے مان لو تو تم سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم تمہارا مطیع فرمان ہوگا" گویا توحید کا کلمہ بظاہر صرف ایک اعتقادی کلمہ ہے مگر اس کے اندر ہر قسم کی صالح انسانی فتوحات کا راز چھپا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت کی آواز اور زندگی کے تمام شعبوں میں تبدیلی کا

عنوان ہے(۲)

اسلام کی تعلیم میں توحید، خدا کے سامنے حاضر ہونے کا یقین، عدل و انصاف اور تہذیب نفس کے جامع اور ہمہ گیر اصول موجود ہیں، چنانچہ وہ خداپرستی کو انسانیت کا ایک لازمی جز ٹھہراتا ہے لیکن اس کیلئے کسی پروہت طبقے کی ضرورت نہیں سمجھتا، وہ معاشیات کی عادلانہ تقسیم کا علمبردار ہے جس کی رو سے انسان کی طبعی ضرورتوں خوراک، لباس، مکان، تعلیم اور صحت کے انتظامات تمام انسانوں کیلئے یکساں ہوں۔ غرض جہاں وہ خدا کو پہچاننے اور اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے مواقع ہر انسان کو بہم پہنچاتا ہے وہاں وہ ہر ایک انسان کی طبعی حیوانی ضروریات کی فراہمی کو فرض قرار دیتا ہے اور اسے خدا کی محبت کا ایک جزو بناتا ہے، اسی بنا پر جو شخص خدا کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے لیکن اس کی محبت کا دم بھرنے کے بعد اس کے بندوں کے ساتھ انصاف کرنے اور کمزور انسانوں کی مدد کرنے میں سستی، کاہلی، غفلت یا بے رخی دکھاتا ہے، وہ اسلام کی نگاہ میں مجرم اور خداتعالیٰ کے سامنے گنہگار قرار پاتا ہے اس سے دنیا میں قرآنی حکومت جواب طلب کرے گی اور مرنے کے بعد کی زندگی میں خداتعالیٰ خود ایک دن مقرر کر کے جواب طلبی کرے گا۔

بعض نیم مذہبی لوگ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ کے مسائل کو تو دین قرار دیتے ہیں لیکن حکومت اور اس سے متعلقہ امور جیسے ٹیکس وصول کرنا، جزیہ جمع کرنا، فوجداری اور دیوانی انتظام کرنا، مخالفین کے ساتھ جنگ یا صلح کرنا اور معاہدے کرنا وغیرہ کو سیاست اور دنیا قرار دیکر اس سے احتراز کا مشورہ دیتے ہیں حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بیشتر حصہ عبادتی فرائض ادا کرنے کے بعد قرآن کی اشاعت، بیرونی وفود سے ملاقاتوں، حکمرانوں کو دعوت اسلام، مقدمات کے فیصلوں، لشکروں کی تیاری، جو حکمران آپ کی دعوت قبول نہیں کرتے اور اپنی رعایا پر ظلم کرتے تھے، ان پر لشکر کشی، مالیانے کی جمع، تعلیم کے انتظام، غریبوں اور بے کسوں کی خبر گیری اور ان کے

قرضوں کے ادا کرنے کے انتظام نیز یتیموں کی جائداد کی دیکھ بھال اور بیواؤں کی نگرانی کرنے میں گزرتا تھا۔(۳)

گویا اسلام ،شریعت ،طریقت اور حکمت وسیاست کے مجموعہ گلدستہ کا نام ہے۔اور جو مسلمان اپنی زندگی اسلام کے اس جامع نظام کے تحت بسر کرینگے،ان کیلئے دنیا میں غلبہ اور آخرت میں جنت کا وعدہ ہے۔(۴)مزید برآں بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کی حقیقی اور انقلابی سوچ محفوظ رکھنے کیلئے باشعور مجتہدین کی جماعت کا وجود فرض کفایہ یعنی اجتماعی ذمہ داری کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس سے فرسودگی ،رجعت پسندی اور جمود کا ازالہ ہوتا رہتا ہے۔

(۳)سماجی تبدیلی کا دائرہ اثر

ہمہ گیر اجتماعی تبدیلی کیلئے سب سے پہلے اس دائرہ کار کا تعین ضروری ہے جسمیں تبدیلی لانا مقصود ہے چنانچہ جب ہم سیرت نبوی کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اگرچہ ابتدائی درجہ میں قریش کے لئے تھی مگر یہ کسی نامزد خاندان یا مخصوص علاقہ تک محدود نہیں رہی جیسا کہ گزشتہ انبیاء کی دعوت تھی۔آپکی انقلابی تحریک کا حقیقی حلقہ عمل صرف اور صرف جزیرہ نماعرب نہیں تھا بلکہ یہ انقلاب انجام کار کے لحاظ سے بین الاقوامی تھا،یہی سبب ہے کہ مشرق ومغرب کی اس وقت کی غالب طاقتوں یعنی ایران و روم کو قرآنی نظام کے تحت لاکر اس تحریک کو عالمی حیثیت دی گئی۔واضح رہے کہ قیصر وکسریٰ کے نظام انسانیت کیلئے تباہ کن تھے،ان نظاموں نے متمدن انسانیت کے اکثریتی حصہ کو اس انداز میں اقتصادی اور ذہنی غلامی میں جکڑ رکھا تھا کہ کسی انسان کو اپنی حقیقی اور روحانی ضرورتوں پر غور وفکر کا وقت ہی نہیں ملتا تھا لہذا مشرق ومغرب کی ان مراکز میں انقلاب برپا کر کے انسانیت کو آزاد کرانا ضروری تھا۔

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کے ذریعے دنیائے انسانیت میں جو انقلاب برپا کیا وہ حقیقی معنوں میں عالمگیر اور ہمہ گیر تھا۔ اس پر درج ذیل آیات قرآنی شاہد ہیں

(الف) ہم نے آپ کو تمام انسانیت کیلئے رسول بنا کر بھیجا اور اسپر اللہ بطور گواہ کافی ہے (۵)

(ب) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا (۶)

(ج) ہم نے آپ کو تمام تر انسانیت کیلئے بشارت دھندہ اور خبردار کنندہ بنا کر بھیجا لیکن اکثر لوگ اس سے لاعلم ہیں (۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی عالمی تناظر میں فارس، روم، یمن، مصر، حبشہ، بحرین، دمشق، عمان اور یمامہ کے حکمرانوں کو دعوت اسلام دینے کیلئے مختلف وفود بھیجے اور خطوط ارسال کئے۔ لیکن یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ آپ نے عالمی تبدیلی کے لئے پیش قدمی قومی تبدیلی کی تکمیل کے بعد کی، اس کے بغیر آپ نے عالمی تبدیلی کو اپنی جدوجہد کا موضوع اول نہیں بنایا۔ آپ نے مہذب اقوام کی اکثریت کو توحید اور خدمت انسانیت کے نکتے پر جمع کر کے نہ صرف یہ کہ ان کے تعلقات ان کے خالق کے ساتھ درست نہج پر قائم کر دیئے بلکہ ان کے باہمی تعلقات بھی عدل پر استوار کر دیئے۔ اب جب بھی کوئی معاشرہ ہمہ گیر عالمی تبدیلی لانا چاہے گا، اسے آپ کے نقش قدم پر ہی چلنا ہوگا، جو گروہ اس لائحہ عمل کے برعکس پروگرام ترتیب دے گا وہ یا تو سرے سے ناکام رہے گا یا صرف وقتی یا جزوی طور پر کامیاب ہوگا

(۴) اجماعی تبدیلی کا طریق کار

(الف) مرحلہ وار دعوت کی حکمت عملی

اجتماعی تبدیلی روبہ عمل لانے کیلئے کیا طریق کار ہونا چاہئے؟ اس حوالہ سے جب سیرت نبوی کا جائزہ لیا جاتا ہے تو اس پر سیرت نگار متفق ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی

تین سال تک اپنی دعوت کو برسر عام فروغ نہیں دیا اس دوران آپ اپنے اہل خانہ، اقارب ورشتہ دار اور مخصوص احباب اور ان کو جن میں قبول حق کی استعداد محسوس کرتے، دعوت دیتے تھے، گویا دعوت وانقلاب کی جدوجہد کے سلسلے میں آپ کے یہاں وہ فطری ترتیب نظر آتی ہے جو کسی نئے ماحول میں ایک داعی کو اختیار کرنی چاہئے جس کی رو سے ابتداء میں چنیدہ افراد پر کام کرنا ضروری ہے۔

معروف مورخ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ بالکل ابتدائی دور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ آ گئے، اس موقع پر انہوں نے اس بابت دریافت کیا آپؐ نے فرمایا "یہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے اپنے لئے منتخب کیا اور اس کی تبلیغ کیلئے اپنے رسول بھیجے میں تم کو ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اس کا کوئی شریک نہیں اور اسکی عبادت کی تلقین کرتا ہوں اور یہ کہ تم لات اور عزیٰ (مشرکین کے مقدس معبود بت) کو ماننا چھوڑ دو" حضرت علی نے کہا یہ میرے لئے بالکل نئی بات ہے جو پہلے سننے میں نہیں آئی اور اس سلسلے میں اپنے والد ابو طالب سے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ آپ نے اس امر کو مناسب نہیں سمجھا کہ عام اعلان نبوت سے قبل ہی دعوت دین کا چرچا ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے تو اس معاملہ کو تو پوشیدہ رکھو، حضرت علی رات تک گومگو کی حالت میں رہے یہاں تک اللہ نے ان کے قلب میں اسلام جاگزیں کر دیا اور صبح ہوتے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ سے کل کی دعوت کے کلمات دہرانے کا تقاضہ کیا آپ نے وہ کلمات دوبارہ بتائے، حضرت علی نے ان کا اقرار کر لیا بعد ازیں اپنے والد کے علم میں لائے بغیر آپ کے پاس چھپ چھپ کر آتے رہے اور اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا اسی طرح اوس و خزرج کے ابتدائی مسلمان جب یثرب واپس ہوئے تو آغاز میں ان کا طریقہ بھی یہی تھا کہ وہ چنیدہ افراد پر دعوتی کام کرتے تھے (۸)

اس مرحلے میں براہِ راست انفرادی رابطے ہوتے تھے ،اس میں بالمشافہ گفتگو کے ذریعے سولات کے جوابات اور اعتراضات کی تشفی کرائی جاتی جس سے اخوت ،تعاون باہمی اور جذبہ صبر واستقامت پر مبنی ایک جماعت کی تشکیل میں مدد ملی ،جس نے آپ کی دعوت کو عام کرنے میں آپ کا ہاتھ بٹایا یہاں تک کہ سبقت کرنے والے اولین افراد (السابقون الاوّلون) کی تعداد چالیس سے زائد ہوگئی پھر آپ کو اس بات کا مکلّف بنایا گیا کہ علی الاعلان دعوت دیں اور باطل نظریات پر تنقید کریں (۹)

اس کے ساتھ ہی دعوت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا جو دس سال تک مکہ وبیرون مکہ جاری رہا جس میں عدم تشدد پر کار بند رہتے ہوئے علانیہ دعوت دی گئی اور انفرادی رابطے بھی جاری رہے۔اسی دوران آپ نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر قبائل کو اسلام کی دعوت عام دی (۱۰)اس طرح موسم حج میں آنے والے بیرونی وفود تک اپنی بات پہنچائی نیز اہل طائف اور مدینہ کے قبائل اوس وخزرج تک دعوت کا سلسلہ دراز ہوا(۱۱)

اس دوران آپ کی سب سے بڑی دلیل ،جس سے آپؐ مخاطبین کو اپنی رسالت کیلئے قائل کرتے تھے قرآن حکیم تھا جس نے دنیا کے تمام دانشوروں کو چیلنج کر رکھا تھا کہ عربی فصاحت وبلاغت نیز عالمگیر حقائق اور اجتماعی تعلیمات کے حوالہ سے اس کی کسی سورۃ جیسی کوئی سورت تخلیق کر کے تو لائیں (۱۲)

اس عرصہ میں آپ نے کفار کے بیہودہ اور لایعنی سوالات واعتراضات پر ہمیشہ وسیع النظری ،صبر وتحمل اور وقار ومتانت کا مظاہرہ کیا اور اہم اور مفید سوالات کا تسلی بخش جواب بھی دیا،اس کے علاوہ آپ نے ہمیشہ اپنے مخاطب کی ذہنی حالت اور معاشرتی پس منظر کو مدنظر رکھ کر گفتگو کی جس سے ذہنی تبدیلی کے عمل نے ترقی کی۔

(ب)اشتعال انگیزی کا پر حکمت جواب

آپ کی دعوت کا کفار کے بالائی طبقہ میں شدید ردعمل ہوا، انہوں نے ذہنی اذیت سے جسمانی تکالیف تک کے تمام حربے اختیار کئے ،ان کی اس اشتعال انگیزی کے جواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل طریقے اختیار کئے:۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ سے دنیا میں غلبہ اور آخرت میں ابدی کامیابی کا جو سچا وعدہ کیا تھا، آپ اس سے اپنے مخاطبین کو پر یقین انداز سے آگاہ کرتے جس سے صحابہؓ کے دلوں میں خود اعتمادی کو جلا ملتی جبکہ مخالفین کے حوصلے پست ہوتے اور آپ کی اور جماعت صحابہؓ کی قوت ارادی سے ان کی صفوں میں پریشانی بڑھتی۔

(۲) مخالفین کو کھلا چیلنج دیا گیا کہ وہ قرآن حکیم کے کسی حصے کا متبادل پیش کریں مگر اس چیلنج کو باوجود کوشش بسیار کے وہ قبول نہ کر سکے۔

(۳) تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مادی و روحانی تائید آپ کو اور آپ کی جماعت کو حاصل رہی مثلاً واقعہ اسراء و معراج جس کے سبب آپ کی حیثیت محض مصلح یا تاریخی شخصیت کے نہیں رہ جاتی بلکہ رسول کی بالا و برتر حیثیت نمایاں ہوتی ہے۔

(۴) آپ کی ممتاز صفات نے دشمنوں کے دلوں تک میں آپ کا احترام جاگزیں کر رکھا تھا مثلاً امانت ،راست گوئی ،بہادری ،عفو درگزر ،صبر و تحمل ،فصاحت و بلاغت ،ایفاء عہد ،حیا ،عدل اور تواضع وغیرہ

(۵) آپؐ اور آپ کی جماعت مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک عدم تشدد پر سختی سے کاربند رہی تا آنکہ مطلوبہ تیاری مکمل ہوگئی۔ یہ اس تیاری ہی کی برکت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سے قرآنی انقلاب کی تحریک متعدد نشیب و فراز سے گزرنے کے باوجود اب تک جاری ہے

یہ امر لائق غور ہے کہ آپؐ نے اپنی پوری زندگی میں شدت سے اس امر کا اہتمام رکھا کہ کوئی اقدام اس کی مطلوبہ تیاری سے قبل نہ کیا جائے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

کہتی ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اڑتیس صحابہ جمع ہو گئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ سے ''ظہور'' کیلئے اصرار کیا یعنی تبلیغ حق کیلئے علانیہ اقدام کیا جائے مگر آپ کا جواب تھا کہ ''اے ابو بکر! ابھی ہم تھوڑے ہیں''، اسی طرح نبوت کے چھٹے سال جب حضرت عمر اسلام لائے تو انہوں نے آپؐ سے کہا ''اے خدا کے رسول! ہم کیوں اپنے دین کو چھپائیں جبکہ ہم حق پر ہیں اور اس کے برعکس دوسروں کا دین نمایاں رہے حالانکہ وہ باطل پر ہیں''۔ آپؐ نے انہیں بھی یہی جواب دیا ''اے عمر! ابھی ہم تھوڑے ہیں'' آپ کا یہی دھیما انداز مسلسل دینی کام کو آگے بڑھاتا رہا یہاں تک کہ ہجرت کے بعد جب اسلامی طاقت ایک جگہ منظم اور مرتکز ہو گئی تو اس وقت مقابلہ کی اجازت دی گئی۔ گویا اہل اسلام کیلئے عملی اقدام کا وقت وہ ہوتا ہے جب وہ اس غالب پوزیشن میں آجائیں کہ اپنے اقدام سے اسلام کیلئے نیا مستقبل پیدا کر سکتے ہوں اس سے پہلے عملی اقدام درست نہیں (۱۳) کہ اسکی منفعتیں کہیں زیادہ اور تباہ کن ہیں

یہی سبب ہے کہ مکہ میں آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کو پیش آنے والے ہولناک واقعات کے باوجود کوئی جوابی اقدام نہیں کیا گیا خواہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی برچھی سے شہادت کا سانحہ ہو یا حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت مصعب بن عمیر وغیرھم رضی اللہ عنہم کے ساتھ وحشیانہ سلوک کا معاملہ ہو، اسی طرح آپؐ کے گھر غلاظت پھینکنے کا ناپاک واقعہ ہو یا گردن مبارک پر چادر ڈال کر گلا گھونٹنے کی اذیت ناک کوشش ہو، سجدے کی حالت میں اونٹ کی نجاست بھری اوجھری ڈالنے کے تکلیف دہ لمحات ہوں یا پتھروں کی بارش سے لہولہان ہونے اور شعب ابی طالب میں تین سالہ سماجی بائیکاٹ جیسے دہلا دینے والے مراحل ہوں، آپؐ نے نہ صرف خود انتہائی برداشت سے کام لیا بلکہ اپنے صحابہ کو بھی صبر ہی کی تلقین کی حالانکہ بعض صحابہ جیسے حضرت عبدالرحمن بن عوف، قدامہ بن مظعون، مقداد بن اسود اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم چاہتے تھے کہ جوابی اقدام کی اجازت ہو لیکن آپ نے قبل از وقت اجازت نہیں دی اور اس طرح صحابہ کو فکر و عمل کی تربیت کے

مراحل سے گزار کر ایک لڑی میں پروتے اور جماعت سے منسلک کرتے رہے (۱۴)

(ج) اجتماعیت اور تنظیم کی ضرورت

تبدیلی کے عمل کیلئے اجتماعیت اور تنظیم کی اہمیت سے انکار ناممکن ہے کیونکہ کوئی اجتماعی تبدیلی فرد واحد نہیں لایا کرتا خواہ وہ کتنی عظیم شخصیت ہی کیوں نہ ہو (۱۵)

انقلابی اجتماعیت رفقاء کار پر مشتمل ہوتی ہے، جب یہ لوگ آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو ہم خیال پا کر اجتماعی طور پر کام کرنے پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور یوں ایک اجتماعیت وجود میں آجاتی ہے، اس کے دو مرحلے ہوتے ہیں۔

پہلے مرحلے میں بنیادی اہمیت اس امر کو حاصل ہوتی ہے کہ ایک واضح نصب العین پیش کر کے فیصلہ کرایا جائے اور پھر اسے قبول کر کے چل نکلنے والے ایک دوسرے پر زیادتی نہ کریں۔ یہ رفقاء جانتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں رکھتے اور فکر کو عمل میں لانے کے جذبے کے لحاظ سے ہم سب برابر ہیں جبکہ دوسرے مرحلے میں نصب العین کو ساتھیوں کے ذہنوں کی گہرائی تک پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ وہ اسے اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کر لیں کہ وہ اس پر قربان ہو سکتے ہیں اور اپنا سب کچھ قربان کر سکتے ہیں

چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرق و مغرب کی بڑی استحصالی و استبدادی طاقتوں کے خلاف انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے لیکن عربوں کی علمی اور طبعی ترقی ایسی نہیں تھی کہ ان میں سے قیصر و کسریٰ کے مقابلے کیلئے لشکر تیار ہو سکے، ادھر عرب کی تنظیمی قابلیت و صلاحیت صرف قریش میں تھی۔ اگر قریش حنیفی ملت کو قائم کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے جو ان کے ذہنوں کے بہت نزدیک تھی تو انقلاب آسان ہو جاتا لیکن قریش کا بالائی اور دولتمند طبقہ طبعاً قیصر و کسریٰ کے انداز فکر کی طرف مائل تھا اور انہی کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا کیونکہ ان ممالک کے ساتھ ان کے

تجارتی تعلقات تھے لہذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اولاً ایک ایسی جماعت تشکیل دیں جو قریش کے رجعت پسندوں پر غالب آجائے اور پھر عرب کے انقلابیوں کو ساتھ ملا کر مشرق ومغرب میں انقلاب کی لہر دوڑا دیں (۱۶)

یہاں اجتماعیت سے مقصود یہ ہے کہ چند ہم فکر افراد ایک فکر کے مطابق عمل کرنے پر جمع ہو جاتے ہیں، ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوتی وہ اپنے نصب العین کو جانتے ہیں اور اس کی خاطر ہر خطرہ برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں وہ ایک جسم کی مانند کام کرتے ہیں، ان میں فکری وحدت ہوتی ہے اس لئے دشمن کا پروپیگنڈہ ان کو گمراہ نہیں کر سکتا پھر فکری وحدت کے نتیجے میں ان میں عملی وحدت پیدا ہو جاتی ہے، نتیجۃً وہ اپنے نفع ونقصان کو مشترک سمجھتے ہیں اس لئے دشمن کا اقتصادی حملہ بھی انہیں منتشر نہیں کر سکتا (۱۷)

یہ جماعت اپنے امور کے انتظام وانصرام کیلئے اپنے میں سے ایک شخص کو بڑا مان لیتی ہے اور اسے اپنا امیر قرار دے لیتی ہے، یہ امیر ان میں قانون الٰہی کے تحت انتظام کرتا ہے لیکن انتظام کی تمام طاقت حقیقت میں خود اس جماعت کے پاس رہتی ہے

قرآنی سیاست کے مطابق قوت رہنمائی ان لوگوں میں مرکوز ہوتی ہے جو قرآن کے علوم وحقائق سب سے زیادہ جانتے ہیں اور سابقین اولین یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعت کی پیروی کرتے ہیں، امیر ان کے مشورے ہی سے کام کرتا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ ان سے تمام معاملات میں مشورہ کریں اور جب آپ (اس مشورے کے مطابق) پختہ ارادہ کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کریں (۱۸) دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ مسلمان اپنے تمام معاملات میں باہمی مشورے سے کام کرتے ہیں (۱۹)

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اہم معاملہ میں اپنی جماعت سے مشورہ کیا اور کئی ایک مواقع پر اپنی رائے پر دوسروں کی رائے کو بھی ترجیح دی (۲۰)

موجودہ زمانہ میں بھی اسلام کے غلبہ کیلئے ایسی اجتماعیت کی ضرورت ہے جو شعوری طور پر گزشتہ ہزار سالہ سے زائد عرصہ کی تاریخ کی وارث ہو جو اس بات کا عرفان کامل رکھتی ہو کہ گزشتہ صدیوں کے عمل کے نتیجے میں خدا نے اسلام کیلئے کیا کیا موافق حالات پیدا کئے اور کن حکمتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں اسلام کے حق میں استعمال کیا جاسکتا ہے اور جس کا وجود اور اسلام کا غلبہ ثانی دونوں اس طرح ایک ہو جائے کہ بظاہر ایک کو دوسرے سے جدا نہ کیا جاسکتا ہو ایسی اجتماعیت کے بغیر عالم اسباب میں اسلام کے غلبہ کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔

غلبہ اسلام تاریخ کا مشکل ترین منصوبہ ہے جس پر عملدرآمد کیلئے مشہور مستشرق پروفیسر فلپ ہٹی کے الفاظ میں ''ہیروؤں کی نرسری'' درکار ہے، ظاہر بات ہے کہ قانون قدرت کے مطابق جو شرط پیغمبر اور آپ کے ساتھیوں کیلئے ضروری تھی، وہ بعد کے لوگوں کیلئے آخر کس طرح ساقط ہو جائے گی (۲۱)

(د) قیادت کی تیاری

اجتماعی تبدیلی کا عمل باصلاحیت قیادت کی تیاری یا ''ہیروؤں کی نرسری'' کے بغیر ناممکن ہے، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چالیس سال کی عمر میں اس وقت ذمہ داری سونپی گئی جب آپ کی عمدہ شہرت چار سو پھیل چکی تھی اور آپ کی امانت و راست گوئی، اصابت رائے، انسان دوستی اور حسن خلق کا چرچا تھا اور آپ نے گلہ بانی، سفر اور تجارت کے ذریعے معاشرتی و معاشی امور کا تجربہ حاصل کر لیا تھا، ذیل میں ان اہم مراحل کا ذکر ہے جن کے ذریعے آپ میں رسالت کی بین الاقوامی ذمہ داری کیلئے رسوخ پیدا کیا گیا اور قومی و عالمی قیادت کی صلاحیت کو جلا بخشا گیا (۲۲)

۱۔گلہ بانی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نو جوانی کی عمر میں بکریوں کی دیکھ بھال کی، چنانچہ آپ بکریاں لیکر چراگاہ کی طرف نکل جاتے اور طبعی ماحول میں زندگی گزارتے۔اس دوران آپ کی نظر اللہ کے تخلیق کردہ عجائبات پر پڑتی جن میں کسی انسانی ہاتھ کا عمل دخل نہیں تھا، آپ غور وفکر اور سوچ بچار سے کام لیتے جس کا نتیجہ روحانی بالیدگی اور ذھنی پاکیزگی کی صورت میں حاصل ہوتا، آپ پورا دن بکریوں کے ساتھ رہتے اور اس دوران جو بکری ریوڑ سے علیٰحدہ ہو جاتی، اسے ریوڑ میں واپس کرتے، اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے اور اُسے ظلم پیشہ بھیڑیئے سے بچاتے نیز بکریوں کو خشک زمین اور بیابان جگہوں سے زرخیز مقامات کی جانب لیجاتے غرضیکہ آپ کا طرز عمل ایک متحرک ہمدرد اور نیکوکار قائد کی مانند ہوتا۔

۲۔خلوت نشینی اور غور فکر

بعثت سے چند سال قبل آپ کو خلوت نشینی بھلی معلوم ہونے لگی، چنانچہ آپ غار حراء کی طرف نکل جاتے یہاں خلوت نشین ہو کر اپنے آپ کو فاسد معاشرے کے اندر پیدا ہونے والے امراض جیسے کینہ، حسد، بغض اور کھوٹ سے دور رکھتے، بت پرستی کے شعور وآگہی گھونٹ دینے والے ماحول سے علیٰحدہ رہ کر اپنی روحانی بالیدگی حاصل کرتے اور اس مسموم شہری فضا سے پرہیز کرتے جہاں کمزور اور پسماندہ افراد پر اقتدار کے نشے میں چور لوگوں کا تسلط تھا۔

یہ خلوت نشینی اس حوالہ سے آپ کیلئے ضروری تھی کہ آپ نے مستقبل میں قیادت سنبھالنی تھی، اختیارات آپ کے پاس آنے والے تھے اور آپ کی ہر بات فیصلہ کن بننے والی تھی لہذا یہ لازمی تقاضہ تھا کہ آپ کا دل ودماغ ہر قسم کے منفی تعصبات پر مشتمل نظام کی آلودگیوں سے بالکل صاف ہو، تاکہ آپ آغاز ہی سے انسانیت کیلئے رحمت ورافت کا پیکر ثابت ہوں اور اپنی عوام

سے ریاستی تشدد و جبر کی بجائے معاملہ فہمی ،تدبر و بصیرت ،ہمدردی اور نرم خوئی سے معاملات طے کریں

۳۔تجارت کا مشغلہ اور سفر و سیاحت

بعثت سے قبل کئی سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر اور تجارت میں مشغول رہے جس سے آپ کو لوگوں کے ساتھ معاشی لین دین کے سلسلے میں کافی تجربہ حاصل ہوا اور آپ کی امانت ، سچائی ،دیانت اور انصاف جیسی صفات معاشرے پر آشکارا ہوئیں اس پر مستزاد یہ کہ آپ کو تجارت میں نفع بھی ہوا جس سے آپکے عملی معاشی سرگرمیوں کے میکانزم سے آگہی کا بھی اندازہ ہوتا ہے

آپ نے بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام کا سفر کیا پھر ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے سرمایہ کے ذریعہ کاروبار کے سلسلے میں دوبارہ شام جانا ہوا جبکہ آپ کی عمر پچیس سال تھی شام اس وقت بین الاقوامی تجارت کا مرکز تھا آپ وہاں کچھ عرصہ رہے جس سے آپ کی عالمی معلومات میں اضافہ ہوا ،ذہنی افق کو وسیع ترین دائرہ میں سوچنے کا موقع ملا ،گردوپیش کے ممالک کے حالات سے آگاہی ہوئی اور وہاں کے لوگوں کے عادات واطوار اور مذہبی رجحانات کا مشاہدہ کیا۔ یہ تعارف و آگاہی ایک ناگزیر ضرورت تھی کیونکہ آپ صرف اہل حجاز کے رسول اور قائد ہی بننے والے نہیں تھے بلکہ تمام انسانیت کے رسول اور رہبر کے منصب پر فائز ہونے والے تھے

۴۔خوابوں کی سچی تعبیر

جب بعثت کا وقت قریب آیا اور آپ کو فریضہ رسالت اور منصب قیادت سونپے جانے کا موقع آنے لگا تو آپ کو سچے خواب نظر آنے لگے کہ آپ کوئی بھی خواب دیکھتے ،اس کی تعبیر صبح صادق کی مانند واضح ہو کر سامنے آجاتی ،ان سچے خوابوں سے آپ کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا

بالخصوص اس دور میں جبکہ لوگوں کی زندگی اور عام معمولات تک میں خوابوں کا اہم کردار بھی تھا۔ مزید برآں یہ خواب آپ کی اعلیٰ قدروں سے غیر متزلزل وابستگی کے آئینہ دار بھی تھے۔ جس سے آپ کی اعلیٰ روحانیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

۵۔ خدمت انسانیت کا اہتمام

چونکہ آپ نے دکھی انسانیت کا سہارا اور جہانوں کیلئے پیکر رحمت بننا تھا، اس لئے آپ قبل از بعثت ہی انسانی فلاح و بہبود کیلئے سرگرم عمل رہے غار حرا میں آپ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ مضطرب حالت میں گھر واپس آئے اور اس عظیم ذمہ داری کے حوالہ سے اپنی جان کے بارے میں اندیشہ ظاہر کرنے لگے تو حضرت خدیجہؓ نے جن الفاظ میں آپکو تسلی دی، اس سے آپ کے کمزوروں اور مستضعفین کے ساتھ گہرے تعلق اور انسان دوست کردار پر روشنی پڑتی ہے چنانچہ آپکی شریک حیات نے فرمایا ہرگز نہیں، بخدا! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بیروزگاروں کو کمانے کے لائق بناتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت لوگوں کی مدد کرتے ہیں (۲۳) گویا آپ ہی ان صفات کی بدولت واقعۃً قیادت کیلئے موزوں اور رسالت کے اہل ہیں لہذا آپ کو کسی اندیشے کی ضرورت نہیں۔

بعد ازیں بین الاقوامی انقلاب کیلئے ضروری تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو تعلیم دیکر انقلاب کی لیڈر شپ تیار کریں جو آپ کی جانشین ہو سکے، چنانچہ ان کیلئے شب کے آخری حصہ میں خصوصی تعلیم کا اہتمام کیا گیا کیونکہ دن بھر کی مشقت کے بعد ایسے محنت کش اور نفس کُش لوگ ہی خصوصیت کے ساتھ اس وقت جمع ہو سکتے ہیں، جنہیں قرآن حکیم سے خصوصی رغبت ہوگی اور اجتماع وفکر سے روکنے والے امور پر غالب آنے کی قدرت رکھتے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ جس شخص میں نفس کشی کی یہ نفسیاتی حالت پیدا ہو جائے گی، وہ قرآن حکیم کا کام پوری ذمہ داری

سے کرے گا (۲۴) اس بنا پر مولانا سندھیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن حکیم سکھائے، اس کیلئے تہجد ضروری ہے اور یہ اس کیلئے درجہ اختصاص کی حیثیت رکھتی ہے (۲۵)

(ر) تربیت کی اہمیت

کوئی بھی تبدیلی خواہ محدود سطح پر ہو یا وسیع پیمانے پر، اس کی بنیاد جب تک ایسا عقیدہ اور نظریہ نہ ہو جس پر اجتماعی تبدیلی کی علمبردار جماعت یقین رکھے، اس کے مطابق عمل کرے، اس کیلئے قربانی دے اور اسکے تقاضوں کی پابندی کرے، اس وقت تک وہ تبدیلی بے مقصد قرار پائے گی

اسلام میں اجتماعی تبدیلی کی جڑیں انسانی نفس کی تبدیلی میں مضمر ہیں، انسانی نفس کی تبدیلی لباس یا روپ کی تبدیلی نہیں بلکہ یہ ہے کہ انسان ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جائے یعنی اس کے افکار ونظریات، عقائد واحساسات، مقاصد وطریق کار اور عادات و معمولات یکسر تبدیل ہو جائیں، اسی کو تربیت کہتے ہیں جس کیلئے چند اہم امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ا۔ علم وشعور کا حصول

تربیت کا علم کے ساتھ چولی دامن کا رشتہ ہے لہذا اجتماعی تبدیلی کی داعی جماعت کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم وشعور کو وسعت دے کیونکہ انسانیت کے شرف وفضیلت کا معیار ہی علم وشعور ہے جس کی بدولت انسان مسجودِ ملائک قرار پایا اور خلافت ارضی کا حقدار ہوا، علم برائے علم مقصود نہیں بلکہ ضروری ہے کہ ہر نئی بات کو حکمت وشعور کے میزان میں تول کر اسے قبول یا رد کرنے کا فیصلہ کیا جائے۔ پروپیگنڈہ کے زیر اثر کسی چیز کو قبول کرنا اور اس کی اشاعت کرنا اپنے آپ کو بے اعتبار بنانے کے مترادف ہے لہذا معلومات کا تنقیدی جائزہ اور حالات کا معروضی مطالعہ تربیت کا

ایک لازمی تقاضہ اور قرآن حکیم کی ذکر کردہ ''بصیرۃ'' اور حدیث نبوی کی بیان کردہ ''فراستہ مومن'' کا ایک اہم جزو ہے۔

۲۔ تعلق باللہ

اجتماعی تبدیلی کیلئے مستعد جماعت کا ذات الٰہی سے گہرا اور شعوری تعلق بھی تربیت کے لوازمات میں سے ایک ہے کوئی تحریک حقیقی معنوں میں جامع اور صحیح معنوں میں انقلابی اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کا تعلق تجلی الٰہی سے ہو اسی صورت میں وہ انسان کی اقتصادی اور عقلی یا بالفاظ دیگر بہیمی اور مَلکی (جسمانی وروحانی) تقاضوں کی تکمیل کرسکتی ہے کیونکہ انسان اپنی ساخت کے اعتبار سے بہیمیت یعنی حیوانیت اور مَلکیت یعنی عقلیت کا مجموعہ ہے اور مَلکیت کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے جب یہ تجلی الٰہی انسانی ذہن میں راسخ ہوجائے گی تو ہر آن اس کی یاد رہے گی اور وہ زبان سے بھی ذکر کرے گا جو درحقیقت اس اندرونی یاد کا عنوان ہوگا (۲۶) جس کے نتیجے میں یہ عقیدہ مستحکم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بزرگ و برتر ہے اور کائنات وانسانیت کیلئے منبع قانون ہے لہذا اگر آباؤ اجداد، مرشدین واساتذہ اور حکمرانوں کا حکم، حکم خداوندی کے مطابق ہے تو سر تسلیم خم اور اگر حکم الٰہی کے خلاف ہے تو لائق التفات نہیں، حکمت ولی اللہی میں اسے ''اخبات'' کہتے ہیں

اللہ سے تعلق انسان کے اندر شجاعت وجرات، جان نثاری اور مالی قربانی کے جذبات بیدار کرتا ہے جس کے نتیجہ میں انسان، منفی پروپیگنڈے نیز معاشرے کے بالادست اور ان کے ماتحت طبقات کی ملامت سے بے پرواہو جاتا ہے اور عملی جہاد اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے پھر وہ معاشرے میں انقلابی عمل کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ حتی الامکان شرعی احکامات پر عمل کرنے کیلئے بھی مستعد رہتا ہے

۳۔اللہ پر اعتماد

تعلق باللہ کا ایک خارجی مظہر یہ ہے کہ انقلابی تحریک دستیاب مادی اسباب سے کام لینا ضروری قرار دیتی ہے، تاہم ان اسباب کو کامیابی کا واحد کفیل نہیں سمجھتی بلکہ خدائے وحدہٗ لاشریک کو اس ساری کائنات کا خالق اور مالک مان کر اس پر اور صرف اس پر بھروسہ کرتی ہے۔اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کے عملی نتائج یہ نکلتے ہیں:۔

(الف) قرآنی انقلاب کے کارکن اپنے لئے مادی نفع جوئی نہیں کرتے، یعنی انقلاب برپا کر کے وہ اپنی ذات کے لئے کوئی مادی فوائد حاصل نہیں کرتے بلکہ ان سے بالاتر رہ کر صرف رفاہِ عام کیلئے کام کرتے ہیں

(ب) وہ دستیاب مادی اسباب سے کام لیتے ہیں لیکن اپنے آپ کو ان کے ساتھ اس طرح وابستہ نہیں کرتے کہ جب تک مکمل اسباب حاصل نہ ہوں، وہ کوئی کام ہی نہ کریں بلکہ خدا پر بھروسہ رکھ کر کام شروع کر دیتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ جوں جوں ضرورت پڑتی جائے گی، خداوند تعالیٰ ان کے لئے اسباب پیدا کرتا رہے گا۔

اس تعلیم کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء کو سکھایا کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو یعنی تمام اسباب استعمال کر کے بھی ان سے بے تعلق رہو اور کامیابی کا انحصار ان مادی ذرائع کے بجائے ان کی اصل پر رکھو (۲۷) اس سے کام کرنے والوں میں خودداری کو جلا ملتی ہے اور وہ دوسروں کی عنایات کے منتظر نہیں رہتے۔

۴۔خواہشات نفس پر غلبہ

تربیت کا ایک لازمی تقاضہ یہ بھی ہے کہ افراد اپنے آپ کو باطنی طور پر مضبوط اور طاقتور بنائیں، یعنی اپنے آپ کو نفسانی خواہشات کے حوالہ سے آزاد کر کے اس بلند سطح تک لے آئیں

جہاں طمع ولالچ ،غصہ ونفرت ،جاہ طلبی ،ریا کاری وتصنع ،جاہ طلبی وتکبر،مصلحت پسندی ،حیلہ سازی،ذاتی اغراض کی غلامی اوراس نوع کے دیگرمنفی رجحانات ان کی فکری آرا،اورعملی اقدامات کومتاثر نہ کرسکیں،نتیجۃً ایسےافراد کی جماعت بے پناہ قوت تسخیر کی حامل ہوجاتی ہےاور ہرآزمائش میں پوری اترتی ہے

انسان کےاندر یہ حقیقی اور مستقل کردارصرف آخرت پر گہرے یقین سے ہی پیدا ہوسکتا ہے کیونکہ عقیدہ آخرت آدمی سے بے راہروی کا مزاج چھین لیتا ہےاوراس کو پابنداور ذمہ دار انسان بنادیتا ہےاسی بناپرقرآن وحدیث میں اس عقیدہ کواساسی حیثیت دی گئی ہے۔(۲۸)

۵۔صبراورعدم تشدد

اجتماعی تبدیلی نہایت درجہ مشکل کام ہے،اسے ہمیشہ شدید مخالفتوں اورسنگین مزاحمتوں کاسامناکرنا پڑتا ہےخصوصاً ان عناصر کی طرف سے جن کے مفادات صحت مند تبدیلی کے عمل سے خطرے میں ہوں،اس بناپرتبدیلی کے لئے مستعد جماعت کیلئے لازم ہوجاتا ہے کہ وہ صبروتحمل سے کام لےاوراشتعال میں نہ آئے ،صبر کی اصطلاح اسلام میں کافی وسعت کی حامل ہے تاہم اس کے دو پہلوؤں کا تذکرہ یہاں مناسب ہوگا:۔

(الف) اسلام کےعلمبردار چونکہ ہرحال میں اخلاقی حدود کے پابنداوردوسرے لوگ اس قسم کی بندشوں سے آزاد ہیں اسلئے ممکن ہے کہ یہ بات انقلاب حق کیلئے کوشاں جماعت کواس حدتک متاثر کرجائے کہ وہ اسلامی طریق کارکوہلکا سمجھنے لگےاوراس کے دل میں یہ خیال پرورش پانے لگے کہ اسے بھی وہی طریقے اختیار کرنے چاہئیں جودوسرے لوگ اختیار کررہے ہیں اس موقع پر''صبر''اس بات سے روکتا ہے کہ وہ اپنے طریق عمل کو ہلکا اور بے اثر سمجھنے لگے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے''اے نبی !صبر کیجئے یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہےاور یقین نہ رکھنے والے آپ کوسبک نہ کریں''(۲۹)

(ب) مخالفین کی ایذاء رسانی پر مکمل تحمل و برداشت کا مظاہرہ کیا جائے جیسے آیت قرآنی ہے "انبیاء نے کہا ہم یقیناً ان ایذاؤں پر صبر کریں گے جو تم ہم کو دیتے ہو" (۳۰)

مصائب درحقیقت داعی کی سنجیدگی کا امتحان ہوتے ہیں اور مدعو کیلئے داعی کی دعوت اسی وقت قابل قبول ہوسکتی ہے جب وہ اس کے سامنے اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنی فکر کے ساتھ سنجیدہ ثابت کردے، جوابی کاروائیوں پر گھبرا اٹھنا یا جزع فزع کرنا دعوت میں غیر سنجیدگی کی علامت ہے،

صبر کا تقاضہ یہ ہے کہ خارجی امکانات وحقائق کا بے لاگ جائزہ لیکر اس کے مطابق گہری منصوبہ بندی کی جائے صبر سے انسان کے اندر سفلی جذبات اور سطحی محرکات کی جگہ عقل جیسی ربانی قوت اپنا عمل کرنے کیلئے بیدار ہوجاتی ہے جو کہ ایک حیرت انگیز قوت ہے (۳۱)

صبر حقیقۃً اس کا نام نہیں کہ کوئی لڑنے نہ آئے تو آپ نہ لڑیں، صبر یہ ہے کہ لوگ لڑنے آئیں تو آپ انہیں طرح دے جائیں، لوگ آپ کو اشتعال دلائیں مگر آپ ضبط نفس سے کام لیں، لوگ آپ کے خلاف سازشیں کریں مگر آپ اپنی خاموش تدبیروں سے انہیں ناکام بنادیں، لوگ آپ کے خلاف اپنے دلوں میں دشمنی لئے ہوئے ہوں تب بھی آپ ان کی دشمنی کو عمل میں آنے کا موقع نہ دیں۔

جو لوگ مشتعل ہوکر صرف لڑنا جانیں اور خاموش ہوکر دوررس تیاری کرنا نہ جانیں، ان کیلئے یہاں صرف بربادی کا انجام ہے۔ ناممکن ہے کہ خدا کی دنیا میں وہ کامیاب ہوسکیں۔ کیسی عجیب بات ہے جو کامیابی پیغمبر نے عدم تشدد اور نہ ٹکرانے کی پالیسی اختیار کرکے حاصل کی، اس کو بعض لوگ ٹکرانے کا طریقہ اختیار کرکے حاصل کرنا چاہتے ہیں (۳۲)

۶۔ نظم وضبط کی پابندی

اجتماعی تبدیلی کیلئے کوشاں اجتماعیت نظم وضبط کی پابندی کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی اور جتنا بڑا انقلاب ہوگا اتنے ہی زبردست نظم وضبط کی ضرورت ہوتی ہے اور جو جماعت بہت سخت نظم وضبط

کی مالک ہوتی ہے وہ صلح اور جنگ میں اپنی قیادت کے فیصلے کی پوری پوری فرمانبرداری کرتی ہے حضرت محمد رسول ﷺ نے جو جماعت پیدا کی، اس نے جنگ میں نظم وضبط کا مظاہرہ کئی بار کیا جبکہ بہترین مظاہرے کا موقع حدیبیہ میں پیش آیا جب آپ کی جماعت نے پوری طرح نہ سمجھتے ہوئے بھی اس صلح کو صرف اس لئے مان لیا کہ وہ ایک زبردست نظم وضبط میں منسلک تھے۔ اس ضبط کی انتہاء یہ تھی کہ جب آپ نے اس جماعت سے موت کی بیعت لینا چاہی تو ہر شخص نے ٹھنڈے دل کے ساتھ یہ سمجھ کر بیعت کی کہ یہ موت یقینی ہے اور جو شخص بھی اس وعدے کو توڑے گا، اسے ضبط توڑنے کی بڑی سے بڑی سزا مل سکتی ہے (۳۳)

نظم وضبط کا ہی تقاضہ ہے کہ اختلاف کی صورت میں ساری ذمہ داری اپنے سر لیکر مسئلہ کو یک طرفہ طور پر ختم کر دیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ کوئی اجتماعی زندگی اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب اس کے افراد میں اتنی بلندی ہو کہ ذاتی حقوق کی بحث میں الجھے بغیر اپنے اوپر ذمہ داری لینے کی جرأت رکھتے ہوں، جہاں یہ مزاج نہ ہو وہاں صرف آپس کا اختلاف ہی پرورش پا سکتا ہے جو بالآخر اجتماعیت کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔

یہ نبوی تربیت تھی کہ غزوہ ذات السلاسل میں جب یکے بعد دیگرے دو فوجی دستے حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما کی قیادت میں بھیجے گئے تو دونوں دستوں کی مشترکہ قیادت کے مسئلے پر لشکر میں اختلاف رونما ہوا جو بالآخر حضرت ابوعبیدہ کی طرف سے قیادت سے رضا کارانہ دستبرداری کے فیصلے سے ختم ہوا (۳۴)

۷۔ استقامت اور بے لوث قربانی

جو لوگ اجتماعی تبدیلی کے اعلیٰ نصب العین کو دل وجان سے تسلیم کر لیتے ہیں تو بسا اوقات ان کے گھر کے عزیز واقارب تک دشمن ہو جاتے ہیں، محلے والے، گاؤں اور شہر والے حتیٰ کہ سارا ملک دشمن ہو جاتا ہے اور اگر ملک میں کوئی حکومت ہو تو وہ بھی ان کی دشمن بن جاتی ہے،

ان لوگوں کو اپنے نصب العین میں کامیابی کیلئے ان سب کی مجموعی دشمنی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر انقلابی کارکن یہ سب کچھ سمجھ کر محسوس کرلیں کہ ان کا نصب العین اتنا دلچسپ اور بلند ہے کہ وہ اس کیلئے ان سب عداوتوں اور مصیبتوں کو برداشت کرسکیں گے اور اپنے نصب العین پر اپنی جان اپنے محبوب رشتے اور اپنا تمام مال ومتاع غرضیکہ سب کچھ قربان کریں گے تو ان کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

اس راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں مخالف حکومت کا ہوتا ہے لیکن وہ کیا کرسکتی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ پھانسی دیدے گی، حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ پر آنے والے مصری جادوگر جب حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے تو انہوں نے یہی کہا تھا ''اے فرعون! یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم تجھے ان دلائل و براہین کے مقابلہ میں جو ہم سمجھ چکے ہیں، ترجیح دینے لگیں اور تجھے اس ذات سے بالاتر سمجھنے لگیں جس نے پیدا کیا، تو جو کچھ کرسکتا ہے کرگزر (زیادہ سے زیادہ) تو ہماری اس چند روزہ دنیاوی زندگی کے متعلق ہی کچھ کرسکتا ہے'' (۳۵)

گویا بنیادی تبدیلی کے عمل کیلئے ضروری ہے کہ ذہن بالکل واضح اور دل بالکل مطمئن ہو، اپنے نظریات پر پختہ ایمان ہو اور اس کیلئے ہمہ قسم کی قربانی پر تیار ہو۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سماجی تبدیلی کی جدوجہد سے روکنے کیلئے ذاتی طور پر سب سے زیادہ دولتمند بنانے، بادشاہ بنانے اور دیگر پرکشش مادی پیش کشیں کی گئیں تو آپ نے سب کو مسترد کردیا اور چچا سے کہا کہ بخدا! اگر یہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تاکہ میں اس معاملہ سے کنارہ کش ہو جاؤں تو بھی میں اس سے دست کش نہیں ہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کردے یا میں جان سے چلا جاؤں (۳۶)

اور یہی وہ استقامت تھی جس نے آپ کی اپنے ساتھیوں میں قدر و منزلت اور احترام نیز مخالفین کے دلوں میں رعب پیدا کردیا دراصل تمام پیغمبران خدا کا طرز عمل یکساں ہوتا ہے جو

کہتے تھے کہ اگر تم لوگوں نے اعراض کیا ہے تو میں نے تو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگا، میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں (۳۷) دوسری جگہ ارشاد ہے ''اے میری قوم! میں تم سے مال کا طالب نہیں ہوں میرا اجر تو اللہ کے ذمّے ہے (۳۸) اس سے یہ بدیہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سماج میں وہی تبدیلی موثر اور دیرپا ہوتی ہے جس کے پیچھے کوئی ذاتی طمع اور انفرادی مفاد نہ ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس مشن کی راہ میں نہ صرف اپنا وقت اور اپنے جسم و دماغ کی ساری طاقت لگادی بلکہ اپنا سارا اثاثہ بھی اس کی راہ میں قربان کر دیا، واضح رہے کہ بعثت سے قبل مکہ مکرمہ کی ایک دولت مند خاتون حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد آپ کافی مال دار ہو گئے تھے چنانچہ نبوت کے ابتدائی دور میں جب سردارانِ مکہ نے عتبہ بن ربیعہ کو اپنا نمائندہ بنا کر آپ کے پاس بھیجا تو وہ آپ کے پاس آکر از خود مرعوب ہو گیا اور گھر نشین ہو گیا، اس پر ابوجہل نے اسے آپ کی مہمان نوازی اور مالی حیثیت سے متاثر ہونے کا طعنہ دیا تھا، اسی طرح ایک مرتبہ ولید بن مغیرہ آپ کے پاس آیا اور قرآن حکیم سن کر شدید متاثر ہوا اس پر ابوجہل نے اس پر بھی آپ کی مالی حیثیت سے مرعوب ہونے کی پھبتی کسی۔

الغرض اس قسم کی مالی حیثیت سے آپ نے دعوت کا آغاز کیا مگر جب تیرہویں برس آپ نے مدینہ ہجرت کی تو آپ کے پاس کچھ نہ تھا حتی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے قرض لیکر سامان سفر درست کیا (۳۹)

آپ کی تیار کردہ جماعت کے اندر بھی قربانی کا یہی بے لوث جذبہ تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انصار جنہوں نے اسلام کیلئے بے پناہ قربانیاں دی تھیں اسلام کے بے یارو مددگار مکی قافلہ کو اس وقت پناہ دی جب کہ انہیں اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تھا، اس کے باوجود اس فیصلہ پر راضی ہو گئے کہ اقتدار میں ان کا نمایاں حصہ نہ ہو اور خلیفہ صرف قریش میں سے منتخب کیا جائے، اس میں شک نہیں کہ اس کے پیچھے معروضی صورتحال کے فہم پر مبنی بہت گہری

مصلحت تھی کہ قریش سینکڑوں سال سے عرب کے قائد بنے ہوئے تھے، ایسی حالت میں اگر غیر قریشی کو خلیفہ مقرر کیا جاتا تو اس کیلئے اجتماعی نظم سنبھالنا ناممکن ہو جاتا۔ یہ انصار کی حقیقت پسندی تھی کہ انہوں نے اپنی اس کمی کو جانا اور قریش کی قیادت پر راضی ہو گئے تاہم یہ حقیقت پسندی کی اتنی نایاب قسم ہے کہ اس کی دوسری مثال تاریخ میں نہیں ملتی (۴۰)

گویا اجتماعی تبدیلی کیلئے کوشاں افراد اسی صورت میں اعلیٰ مقاصد حاصل کر سکتے ہیں جب انکے دل میں حُبِّ اقتدار کے جذبات موجود نہ ہوں۔

الغرض نظام کی تبدیلی اور سماج میں انقلاب کے عمل کی جدوجہد کو بارآور بنانے کیلئے ضروری ہے کہ ایسی اجتماعیت قائم کی جائے اور ایسی قیادت کو پروان چڑھایا جائے جو:۔

(۱) کسی گروہ یا خطے کو ہی آخری منزل قرار دینے کی بجائے عالمی تبدیلی اور انسانی معاشرے میں مکمل انقلاب کو ہدف بنائے گو ترتیبِ کار کے حوالہ سے قومی سطح پر تبدیلی نقطہء آغاز ہوگی کیونکہ قومی سطح پر جدوجہد کی داغ بیل ڈالنا ہی فطری طریق کار ہے۔

(۲) معاشرے میں پیوست اچھے اور برے رویوں سے آگاہی حاصل کرے تاکہ عمدہ رویوں کو بنیاد بنا کر تبدیلی نظام کے سفر کا آغاز کیا جا سکے

(۳) اسلام کی جامعیت کے پس منظر میں نظام نو کے خدوخال اور سماج کی تشکیل نو کے تقاضوں سے بخوبی واقفیت رکھتی ہو۔

(۴) اس کے داخلی نظام میں فکری و عملی وحدت و ہم آہنگی کے علاوہ شورائیت اور جمہوریت پسند رویوں کو بالادستی حاصل ہو

(۵) اس کی شعوری بصیرت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار پر تربیت کی جائے جن میں اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اسپر اعتماد، خواہشات نفس پر غلبہ، صبر و تحمل، نظم وضبط کی پابندی استقامت اور بے لوث قربانی بنیادی اہمیت کے حامل ہیں

(۶) اس کو اس انداز سے تیار کیا جائے کہ اس میں انسانی کردار کو دھندلانے والی خامیاں دور ہو جائیں، نیز معاملہ فہمی، لوگوں سے حسن برتاؤ اور خدمت انسانیت کے اوصاف کو جلا مل جائے۔

(۷) یہ اجتماعیت انفرادی رابطوں سے کام کا آغاز کرے گی، استدلال کی زبان میں گفتگو کرے گی، اعلیٰ انسانی کردار کا نمونہ پیش کرے گی اور ہر نامناسب ردعمل کو خندہ پیشانی سے برداشت کر کے اس کے جواب میں ایسی حکمت عملی اپنائے گی جس سے مخالفین کے منصوبے ناکام ہو جائیں اور اجتماعی کاز کو تقویت ملے، انفرادی رابطے مختصر نشستوں میں تبدیل ہوں گے اور یہ نشستیں رابطہ عامہ کا ذریعہ بنیں گی یوں سازگار حالات کا سفر آگے بڑھے گا۔

حوالاجات

۱۔ وحید الدین خان۔ پیغمبر انقلاب (لاہور: امجد اکیڈمی، ۱۹۸۳ء) ص ۱۲۲ تا ۱۲۴

۲۔ ایضاً ص ۱۲۵، بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۲، ص ۱۲۳

۳۔ مولانا عبید اللہ سندھی، قرآنی جنگ انقلاب (ترتیب: شیخ بشیر احمد لودیانوی) گوجرانولہ: مکتبہ حنفیہ اردو بازار) ص ۸ تا ۱۰

۴۔ سورۃ النور آیت۔ ۵۵، سورۃ فصلت آیت۔ ۳۰

۵۔ سورۃ النساء آیت۔ ۷۹

۶۔ سورۃ الانبیاء، آیت۔ ۲۸

۷۔ سورۃ سباء آیت۔ ۲۸

۸۔ پیغمبر انقلاب ص ۱۱۶

۹۔ سورۃ الحجر آیت۔ ۹۴

۱۰۔ احمد التاجی، سیرۃ النبی العربی (مصر: مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، طبع اول ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) ج ۱

ص۱۹۲

۱۱۔ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی،السیرۃ النبویہ دروس (بیروت :دارالقرآن الکریم طبع اول ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء)ص۸۲

۱۲۔سورۃ البقرہ آیت ۲۳،سورۃ یونس آیت ۲۷،۲۸

۱۳۔پیغمبر انقلاب،ص ۱۱۶،۱۱۷

۱۴۔سید محمود آلوسی بغدادی،روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی (ملتان مکتبہ امدادیہ) ج ۳ص ۸۵

۱۵۔سورۃ آل عمران آیت ۱۹۵۔سورۃ الانفال آیت ۶۴،سورۃ التوبہ آیت ۲۶،۸۸،سورۃ الفتح آیت ۲۹

۱۶۔مولانا عبیداللہ سندھی،قرآنی دستور انقلاب (لاہور:ادارہ نشریات اسلام اردو بازار)ص ۶۱

۱۷۔ایضا۔ص ۱۶،۱۷

۱۸۔سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹۔امام ابوبکر جصاص رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ضروری تھا کہ آپ اپنے ساتھیوں سے ان معاملات میں مشورہ کریں جن میں کوئی صریح حکم موجود نہیں تھا پھر آیت میں عزیمت یعنی پختہ ارادہ کا ذکر مشاورت کے بعد آیا ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں وہ عزیمت مراد ہے جو مشاورت سے پیدا ہو،یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا گیا کہ ''عزم'' سے کیا مراد ہے؟ فرمایا جو لوگ مشورہ دینے کے قابل ہوں،ان سے رائے لیکر ان کی رائے کی پیروی کرنا (مولانا عبیداللہ سندھی،عنوان انقلاب (مرتبہ:شیخ بشیر احمد لودیانوی) گوجرانولہ: مکتبہ حنفیہ اردو بازار)ص ۱۲۵)

۱۹۔سورۃ الشوریٰ آیت ۳۸

۲۰۔غزوہ بدر سے قبل لشکر کے پڑاؤ کے سلسلے میں اپنی رائے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حباب بن منذرؓ کی رائے کو ترجیح دی، غزوہ احد میں آپ کی رائے مدینہ کے اندر رہ کر لڑنے کی تھی لیکن اکثر نوجوان صحابہ کی رائے باہر نکل کر جنگ کرنے کی تھی، چنانچہ آپ نے اسی رائے کو اختیار کر لیا، اسی طرح غزوہ خندق سے قبل آپ بنو قریظہ سے مدینہ کی تہائی فصل پر معائدہ کرنے پر غور کر رہے تھے لیکن انصار کی رائے اس کے خلاف تھی، آپ نے اسے ہی اختیار کر لیا۔ (ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، السیرۃ النبویہ دروس وعبر، صفحات ۱۰۰، ۱۰۴، ۱۱۲)

۲۱۔ پیغمبر انقلاب ص ۲۰۶

۲۲۔ ابتدائی چار مراحل کا ذکر ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی نے اپنی کتاب ''قراءۃ جدیدہ للسیرۃ النبویہ'' میں کیا ہے (ڈاکٹر محمود سامی القاسم و ڈاکٹر محمد بن عبداللہ البراعی، منہج الرسول فی التغییر الاجتماعی، دراسۃ مقارنۃ، مجلّہ الدراسات الاسلامیہ ج ۲۴، العدد ۳۔ یولیو۔ ستمبر ۱۹۸۹م (اسلام آباد: مجمع البحوث الاسلامیۃ) ص ۱۲ تا ۱۵)

۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، باب بدأ الوحی

۲۴۔ قرآن دستور انقلاب، ص ۶۲

۲۵۔ ایضاً۔ ص ۵۶

۲۶۔ ایضاً۔ ص ۶۴

۲۷۔ ایضاً۔ ص ۶۷ تا ۶۹

۲۸۔ پیغمبر انقلاب ص ۱۰۲

۲۹۔ سورۃ الروم آیت ۶۰

۳۰۔ سورۃ ابراہیم آیت ۱۲

۳۱۔ پیغمبر انقلاب ص ۱۱۱

۳۲۔ ایضاً۔ ص ۶۰

۳۳۔عنوان قرآئی انقلاب،ص۱۲

۳۴۔پیغمبر انقلاب،س۱۸۹

۳۵۔قرآنی دستور انقلاب،ص۴۱،۴۲

۳۶۔احمد التاجی،سیرۃ النبی العربی ج۱س۱۷۹بحوالہ سیرۃ ابن ھشام

۳۷۔سورۃ یونس آیت۷۲

۳۸۔سورۃ ھود آیت۲۹

۳۹۔پیغمبر انقلاب۔ص۱۱۹

۴۰۔ایضاً ص۱۹۳

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و قیمت	مفتی عبدالخالق آزاد
اجتماعی مسائل کا ولی اللہی حل	جناب مقبول عالم (بی اے)
شعوری تقاضے	مولانا شوکت اللہ انصاری
جدوجہد اور نوجوان	شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ
اسلام کا اقتصادی نظام ایک تقابلی جائزہ	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
ولی اللہی تحریک	مولانا سید محمد میاںؒ
امام شاہ عبدالعزیزؒ افکار اور خدمات	مولانا سید محمد میاںؒ
نظام کیا ہے؟	مفتی عبدالخالق آزاد
فرد اور اجتماعیت	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
عبادت و خلافت	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
حضرت مولانا محمد الیاس کا تصور دین	مفتی سعید الرحمٰن
غلبہ دین اور عبادات	چوہدری افضل حق مرحوم
ثناء خداوندی	چوہدری افضل حق مرحوم
جدوجہد آزادی کا راہنما ادارہ	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
دینی تمدن کی تشکیل نو	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
استعماری مظالم اور ملی تقاضے	شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ
شریعت، طریقت اور سیاست	مولانا محمد الیاس دہلویؒ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
قرآنی دعوت انقلاب	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
دین اور حکومت	مولانا سید سلیمان ندوی
ولی اللہی فکر ایک تعارف	چوہدری عبدالرؤف
تبدیلی نظام کا ولی اللہی نظریہ	مفتی عبدالخالق آزاد
آزادی	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
ولی اللہی نظام فکر کی عصری اہمیت	مولانا بشیر احمد لدھیانوی
دین وحدت	مولانا سید سلیمان ندوی
ولی اللہی جماعت کا انقلابی کردار اور ہماری ذمہ داریاں	مفتی عبدالخالق آزاد
آزاد قومی پالیسی کا خاکہ	مولانا سید محمد میاںؒ
عزیمت (۴)	(ادارہ)
عزیمت (۲)	(ادارہ)
مولانا سندھیؒ کا ایک اہم مکتوب	(ادارہ)
جہاد کیا ہے؟	مولانا سید سلیمان ندوی
شاہ عبدالعزیز رائے پوری اور ان کے جانشین	مفتی عبدالخالق آزاد
خانقاہ رائے پور	مفتی عبدالخالق آزاد
عزیمت (۳)	(ادارہ)
غلبہ دین اور اس کے اجتماعی تقاضے	مولانا مختار حسن
تقویٰ کیا ہے؟	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
دین حق اور برصغیر کا سامراجی نظام تعلیم	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
ترقی کا مادی تصور	مفتی سعید الرحمٰن
عدم تشدد کی حکمت عملی (اسوۂ حسنہ کا ایک مطالعہ)	مفتی سعید الرحمٰن
عزیمت (۵)	(ادارہ)
تبدیلی نظام کیوں اور کیسے	مفتی عبدالخالق آزاد
ولی اللہی فکر کا تاریخی تسلسل	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
اسلام اور گروہیت	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

(۱) پوسٹ بکس نمبر 938 پوسٹ آفس گلگشت ملتان (۲) عزیز پبلی کیشنز 56 میکلوڈ روڈ لاہور